

Babu Jee

[ہمارا گھرانہ ایک پہاڑی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا، جہاں کے رسم و رواج بڑے سخت تھے۔ والد کی وفات کے بعد چچا نے ہمیں میری زندگی کبھی بھی خوشگوار نہیں تھی پہلے باپ مر گیا پھر میری ماں نے ساتھ چھوڑ دیا لیکن جو میرے ساتھ جنگل کے بابو جی نے کیا۔ اس نے تو میری روح میرے سے چھین لی۔ اپنی تحویل میں لے لیا کہ اب وہی ہمارے سر پرست تھے۔ ان دنوں میں تیرہ سال کی تھی۔ والدہ میں بیوگی کا دگہ سہنے کی ہمت نہ تھی۔ وہ اپنے شوہر کی جدائی کا غم بھلا نہیں پاتی تھیں۔ رفتہ رفتہ خود سے غافل رہنے لگیں۔ ہفتوں ہاتھ منہ دھونا اور کپڑے تک بدلنا یاد نہ رہتے تھے۔ کئی کئی دن کھانا کھا نہیں، نہ پانی پیتیں۔ اکیلے میں بیٹھ کر خود سے باتیں کرتی رہتی تھیں۔ ایک روز بغیر بتائے گھر سے نکل گئیں اور پہاڑی پر چڑھنے لگیں جہاں چشمہ تھا اور وہاں لڑکیاں پانی بھر لے جاتی تھیں۔ چشمے پر امی کا پیر پھسل گیا اور وہ لڑھکتی ہوئی کھائی میں جا گریں۔ اس وقت ہمارے محلے کی دولڑکیاں مشکیزے بھر کر گھر کولوٹ رہی تھیں۔ انہوں نے میری ماں کو گرتے دیکھ لیا تھا۔ اپنے مشکیزے وہاں پھینک کر وہ دوڑی ہوئی گھر کو آئیں اور دادی کو اطلاع دی کہ آپ کی بہو کھائی میں گر گئی ہے۔ چچا اور ان کا بیٹا صرام کام کے سلسلے میں گئے ہوئے تھے۔ دادی نے قریبی رشتے داروں کو خبر کی اور وہ میری ماں کا حال معلوم کرنے کھائی کی طرف نکل گئے۔ دادی رانی در اصل میری دادی کی بہن تھیں۔ وہ بوڑھی اور بے اولاد تھیں لہذا اب ہمارے پاس رہتی تھیں۔ وہ والدہ کے لئے از حد پریشان تھیں۔ ان دنوں فون عام نہیں تھے اور میرے چچا ہم کو بتا کر بھی نہ جاتے تھے کہ کون سے علاقے کی طرف جارہے ہیں کیونکہ وہ اپنے کاروباری مسئلوں کو مردوں کا مسئلہ سمجھتے تھے۔ ہمارا ان سے رابطہ ممکن نہ تھا۔ میں ماں کے سلامت آنے کی دعائیں کر رہی تھی لیکن کھائی ماں کو نکل گئی۔ ان کو اتنی گہرائی میں اتر کر نہ تو کوئی نکال سکا اور نہ میں ان کا آخری دیدار ہی کر سکی۔ جب چچا اور صرام لوٹے، اس واقعے کو بوجھ روز گزر چکے تھے۔ میرا رورو کر برا حال تھا۔ چچانے رسوں کی مدد سے دفتوں سے کچھ لوگوں کو کھائی میں اتار لیکن انہوں نے دور سے ہی دیکھ لیا تھا کہ میری ماں کا جسد خاکی سلامت نہ رہا تھا۔ پہاڑی جانوروں نے ان کے تن مردہ کو کھالیا تھا۔ ماں تو داغ مفارقت دے گئی، اب میں بوڑھی دادی کی گود میں سر رکھ کر سسکتی رہتی تھی، وہ مجھ کو ماں جیسا پیار کرتی تھیں۔ صرام کو بھی سمجھاتی تھیں کہ ان دنوں مجھ کو بالکل تنگ نہ کرے۔ وہ جب بھی مجھ سے کوئی کام کروانے کی کوشش کرتا، میں تنگ ہو جاتی۔ جی نہ چاہتا کوئی کام کروں۔ وہ مجھے ستانے لگتا۔ تب دادی اس کو مارنے کو لکڑی اٹھالیتی مجھے اپنا یہ چچا زاد بلکل بھی پسند نہیں تھا کیونکہ اس کو ہر کسی پر حکم چلانے کی عادت تھی۔ اس کی ماں بھی بچپن میں فوت ہو گئی تھی۔ دادی رانی سے ہی اس کو پالا تھا، وہ اس پر شکرے کی طرح نظر رکھتی تھیں، تبھی وہ زیادہ تر گھر سے باہر ہی رہتا تھا۔ مجھ کو دادی بھی محلے کی لڑکیوں کے ساتھ باہر جانے سے نہیں روکتی تھیں کیونکہ جہاں ہم رہتے تھے وہاں باہر کے مرد نہیں آتے تھے۔ بکریاں چرانا، پانی لانا اور ایندھن کے لئے لکڑیاں اکٹھی کرنا ہماری ذمہ داری ہوتی تھی۔ جن پہاڑوں پر ہم لکڑیاں اکٹھی کرتی تھیں وہاں کا ایک محافظ ہماری ناک میں رہتا تھا کیونکہ کچھ لڑکیاں گری ہوئی لکڑیاں اکٹھی کرنے کی بجائے جنگل کی جھاڑیاں توڑ کر گٹھے بنالیتیں جبکہ یہاں درختوں کو کاٹ کر لکڑیاں اکٹھی کرنا منع تھا۔ البتہ گری ہوئی ٹہنیوں کو اکٹھا کرنے پر محافظ کچھ نہیں کہتے تھے۔ ایک دن ہماری پڑوسن لڑکی مہر نے کچھ لکڑیاں چن کر گٹھا بنایا اور ایک جگہ رکھ دیا اس کے دل میں لالچ آ گیا۔ عصر کا وقت تھا وہ سمجھی کہ محافظ اب نماز کو چلا گا ہو گا۔ جنگل کا محافظ تو چلا گیا تھا لیکن ان کا افسر اتفاق سے گشت پر نکلا ہوا تھا۔ جب اس نے اوپر والی پہاڑی سے لڑکی کو جھاڑی کا ستیاناس کرتے دیکھا تو جلدی جلدی نیچے اترنے لگا اور اس نے آواز بھی لگائی۔ آواز سن کر مہر کے ہاتھ پائوں پھول گئے۔ وہ لکڑیوں کا گٹھا چھوڑ کر سرپٹ بھاگی اور جنگل میں ایک جانب سے نکل گئی۔ اب اس کو تلاش کرنا مشکل تھا لیکن میں قریب ہی لکڑیاں چن رہی تھی، بھاگ نہ سکی کیونکہ میرے سر پر۔ لکڑیوں کا گٹھا تھا۔ میں نے شاخیں نہیں توڑی تھیں لہذا میں اپنی چنی ہوئی لکڑیوں کو پھینک کر بھاگنا نہیں چاہتی تھی۔ ورنہ میری دن بھر کی محنت ضائع ہو جاتی۔ جب میں نے دیکھا کہ افسر جس کو محافظ بابو جی کہتے تھے۔ تیزی سے میری جانب آ رہا ہے تو میں ڈر گئی۔ سب لڑکیاں سرکاری جنگل کی حدود سے بھاگ کر گھروں کی جانب نکل گئی تھیں لیکن میں پیچھے رہ گئی تھی۔ میں نے بھی بھاگنا بہتر جانا تھی میرا پائوں ایک پتھر سے ٹکرا گیا اور میں دھڑام سے گر گئی۔ ایک لمحے کے لئے تو مجھے ہوش ہی نہ رہا کہ کیا ہوا ہے؟ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور حواس جاتے رہے۔ اچانک ہی محسوس ہوا کہ کسی نے مجھے تھام لیا ہے۔ میں نے حواس مجتمع کر کے دیکھا تو وہ جنگلات کا افسر بابو تھا۔ بابو جی یہاں پر نیا نیا آیا تھا۔ وہ نوجوان بہت خوب و اور پر کشش انسان تھا۔ اس کو اس قدر خود سے قریب دیکھ کر میرا دل حلق میں آ گیا اور ہاتھ پائوں ٹھنڈے ہو گئے۔ اس نے نرمی سے کہا۔ ڈرو مت، تم کو چوٹ تو نہیں گی؟ اس کا انداز ایسا تھا کہ مجھے یقین ہوا افسر بابو کا مجھ کو سزا دینے کا ارادہ نہیں ہے۔ پھر اس نے میرا نام پوچھا۔ میں نے مجھکتے ہوئے اس کو اپنا نام بتادیا کہ میرا نام عمر ا ہے، تبھی میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ کیا میں لکڑیاں اٹھالوں؟ ہاں اٹھالو۔ اس نے کمال شفقت کا مظاہرہ کیا، تب میں نے جلدی سے لکڑیوں کا گٹھا اپنے سر پر رکھ لیا۔ میں چلتے لگی تو وہ بولا۔ دیکھو آئندہ شاخوں سے لکڑیاں مت کاٹنا۔ میں نے نہیں کاٹیں، وہ دوسری لڑکی تھی۔ ایک قدم ہی چلی تھی کہ اس کی نظر میرے پائوں پر پڑ گئی۔ پیر سے خون نکل رہا تھا لیکن اس دم مجھ کو چوٹ یادرد کا احساس نہیں تھا۔ جب اس نے میرے پائوں کی طرف اشارہ کیا تو خون دیکھ کر میرا برا حال ہو گیا۔ آنکھیں پھیل گئیں اور شدت سے درد کا احساس ہوا۔ میں رونے لگی۔ ذرا ٹھہرو بابو جی نے کہا۔ یہاں بیٹھو۔ وہ سامنے جیب میں سامان ہے، ابھی پٹی اور دوا لاتا ہوں، تم جانا نہیں۔ میں جاتی ہوں دیر ہو جائے گی، میں گھر پر پٹی کر لوں گی۔ تمہارے پٹی کرنے سے زخم تھیک نہ ہو گا۔ اس نے اصرار کیا اور لمبے لمبے ٹگ بھر تا تیزی سے جارہا تھا جیسے اس کو ڈر ہو کہ میں پلک جھپکتے میں بھاگ جاؤں گی۔ ایک لمحے کو میں اٹھی۔ بھی کیا کہ بھاگ جاؤں لیکن پھر مجھے محنت سے اکٹھی کی ہوئی لکڑیوں کا خیال آ گیا۔ اس نے واپس آنے میں پانچ منٹ لگائے ہوں گے۔ ہاتھ میں دوا کاڈ ہاتھامے، تیزی سے بھاگنا مجھ تک پہنچا تھا۔ میرا نام سمیع ہے۔ اس نے روٹی کو دوائی میں بھگوئے ہوئے بتایا۔ میرا پائوں اس کے ہاتھ میں تھا اور میں مدبوش بیٹھی تھی۔ اس کے اجلے اجلے ہاتھ اور میرا امٹی سے اٹا ہوا پائوں، مجھے ہر الگ رہا تھا۔ اپنے پیر دیکھ کر شرم آ رہی تھی۔ میں دم سادھے بیٹھی تھی۔ زخم صاف کر کے اس نے رول کھولا اور میرے پائوں پر کسی ماہر ڈاکٹر کی طرح پٹی کر دی۔ مجھے کو پہلی بار ماں کے مرنے کے بعد راحت نصیب ہوئی تھی، جو ماں کے پیار بھرے ہاتھوں کے لمس سے محسوس

پانوں نہ ڈالنا اور جب ہوتی تھی۔ میں اس راحت کی سرشاری سے مسکرا دی۔ جب میں جانے لگی تو اس نے کہا۔ پانی میں تک زخم ٹھیک نہ ہو جائے پٹی کرتی رہنا۔ وہ سامنے میرا گھر ہے ، ہر روز شام کو آکر پٹی کر وا جانا۔ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور زخمی پیروں سے چلتی ہوئی گھر آگئی۔ میری روح ہلکی پھلکی ہو چکی تھی اور سب دکھ درد بھول کر آج بات بات پر ہنس رہی تھی۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کسی لڑکی کی ایسی کیفیت کب اور کیوں ہوتی ہے۔ مجھے بابو پسند آگئے تھے۔ وہ ایک حسین افسیر تھے پھر انہوں نے مجھ سے کمال مہر بانی کا سلوک کیا تھا۔ کیوں نہ خوش ہوتی ، کیوں نہ مسکراتی ؟ دوسرے دن تک سرور کی کیفیت میں ڈوبی رہی۔ پانوں کی دکھن میں بھی ایک مزہ تھا۔ شام ہوئی تو دل بابو کے بنگلے کی طرف کھینچنے لگا۔ حالانکہ خود کو سمجھاتی تھی کہ ان کے بنگلے کی طرف نہیں جانا ہے ۔ ہم غریبوں کو زخم تو لگتے ہی رہتے ہیں ، آپ ہی ٹھیک بھی ہو جاتے ہیں۔ ہم تو ایسے زخموں کے عادی ہوتے ہیں۔ عصر کے وقت میں خود کو نہ روک سکی اور دادی سے رشنا کے گھر کا کہہ کر نکل پڑی۔ جب وہاں پہنچی تو بابو جی میرے انتظار میں ٹہل رہے تھے۔ وہاں دو کرسیاں اور ان کے درمیان ایک چھوٹی سی گول میز رکھی تھی جس پر دو انیوں کا بکس دھرا تھا۔ مجھ کو دیکھ کر ان کے چہرے پر خوشی بکھر گئی۔ کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ بیٹھو میں باتہ کو دھو کر آتا ہوں اور ابھی پٹی کر دیتا ہوں۔ دراصل وہ ملازم سے چائے بنانے کو کہنے گئے تھے۔ دوالگا کر نئی پٹی کر دی۔ میں اٹھ کر جانے لگی تو اس نے ملازم کو آواز دی اور مجھے کہا۔ ابھی ذرا دیر بیٹھو۔ ملازم چائے کی ٹرے لے کر آگیا۔ طشتری میں ایک اور کھانے پینے کی اور بھی چیزیں تھیں۔ میں چائے نہیں پیتی ۔ بیٹھو۔ اس نے سختی سے حکم دیا۔ میں بیٹھ گئی۔ اس کے رعب میں آکر جلدی جلدی چائے کی پیالی حلق میں اٹھیلی اور کل آتے کا وعدہ کر کے بھاگ آئی۔ جس جگہ کائٹے چھپے تھے وہاں در در ہٹا تھا۔ سوچا کہ ایک دفعہ اور دوالگوں اور پٹی بھی کر والوں۔ یہاں ہمارے علاقے میں دور دور تک کوئی ٹسپنری نہ تھی۔ ایسا نہ ہو کہ پیر پک جائے ، تنہی آج بھی عصر کو گھر سے نکلی اور بائو جی کے بنگلے پر پہنچ گئی ۔ وہ کل کی طرح لان میں منتظر تھے۔ مجھ کو دیکھتے ہی بولے ۔ زخم کیسا ہے ؟ کیا بتاتی کہ پیر کا زخم تو ٹھیک ہو رہا ہے لیکن روح کا غم بڑھتا جاتا ہے۔ میں ایک ایسے مرض کے گھیرے میں آچکی تھی کہ جس کا کوئی علاج نہ تھا۔ اب مجھے بابو کو دیکھنے بنا چین نہ آتا تھا۔ زخم ٹھیک ہو گیا۔ میں اس طرح لکڑیاں چننے کے بہانے نکلتی پھر سپیلیوں کے ساتھ چند قدم چل کر اپنی راہ لیتی۔ درختوں کے جھنڈ میں کھڑی جیب میں بیٹھ جاتی اور اس کے ساتھ دور سیر کو نکل جاتی ہے ۔ مجھے گاڑی میں بیٹھ کر سیر کرنا اچھا لگتا تھا، یہ میرا خواب تھا جو پھر ایک اور خواب میں تبدیل ہو گیا کہ میں ہمیشہ کے لئے بابو جی کی بن جائوں۔ دادی پوچھیں دیر کیوں کر دی؟ کہتی ، پانوں دکھتا ہے ، چلا نہیں جاتا۔ حالانکہ جانتی تھی کہ صارم کی منگیتر ہوں اور یہ منگنی نہیں کی ہے لیکن میں تو اونچے محلوں کے خواب دیکھنے لگی تھی۔ ب ڈاک بنگلے کو اپنا گھر سمجھنے لگی تھی۔ اس نے اپنے پیار بھرے روپے سے میرا دل جیتا تھا لیکن زبان سے یہ نہیں کہتا تھا کہ میں تم سے شادی کروں گا۔ سکھ کے دن گزرتے دیر نہیں لگتی۔ ایسے ہی ملنے اور پیار کی گھڑیاں ہنس بول کر گزار دیتے۔ چہ ماہ میں ہی ہم ایک دوسرے کے اس قدر قریب آگئے کہ جیسے جنم جنم کے ساتھی ہوں۔ ایک روز میں نے اس سے کہا کہ اب شادی کئے بنا چارہ نہیں ہے ۔ یہ کس طرح ممکن ہے ؟ تمہارے قبیلے والے تمہارا باتہ مجھے نہیں دیں گے اور تمہیں لے کر یہاں سے نکل جانا ممکن نہیں۔ میں ایک دمہ دار سرکاری ملازم ہوں۔ تمہیں آخر میں کہاں چھپاؤں گا۔ اب بتاؤ ہم کیسے شادی کر سکتے ہیں ؟ تم نے پھر مجھ سے پیار کا رشتہ کیوں بڑھایا۔ اب میں کیا کروں ، کیا کسی پہاڑی سے کود کر جان دے دوں ؟ میں تمہارے بغیر مر جانوں گی ۔ اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ مجھے سوچنے کا موقع تو دو۔ اس نے کہا۔ جب میں نے دو تین بار اس بارے میں بات کی تو اس نے بھاگ دوڑ کر کے اپنا تبادلہ کر والیا اور مجھ کو بتائے بغیر اپنا ڈاک بنگلہ چھوڑ کر چلا گیا۔ بتا نہیں سکتی کہ سمیع کے اس چوری چھپے جانے سے میری کیا حالت ہوئی۔ اس کے تبادلے کی خبر مجھ پر بجلی بن کر گری تھی۔ کئی دن چپ چپ کر روتی رہی تھی۔ میری اداسی کو دادی نے بھی محسوس کر لیا۔ انہی دنوں وہ بیمار پڑ گئیں۔ عید آنے والی تھی ، چچا اور صارم اکٹھے گھر آگئے تو دادی نے واویلا مچادیا کہ میرے ہوتے اس کی شادی کر دو ، اب کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔ دادی نے اتنا بانو ڈالا کہ بالآخر عید کے بعد میری شادی صارم سے کر دی۔ وہی صارم جو مجھے بڑا لگتا تھا، جس کی صورت دیکھنا پسند نہیں کرتی تھی مگر مجھ مرتی سسکتی کو آخر گلے لگایا بھی تو اس نے ۔ بابو ایک غیر آدمی تھا جس کے عہدے اور عمدہ لباس سے مرعوب ہو کر میں نے اپنا دل اس کے سپرد کر دیا لیکن وہ مجھے بیچ منجدارہ میں چھوڑ کر چلا گیا۔ ایک لمحے کے لئے بھی نہ سوچا کہ میرا کیا بنے گا۔ یہ تو قدرت مجھ پر مہربان تھی کہ رسوا ہونے سے پہلے میری شادی ہوگئی ورنہ سارے لوگ مل کر مجھے زندہ گاڑھ دیتے میں نے نادانی میں اس سے سچی محبت کی لیکن وہ صرف دل لگی کر کے وہاں سے چلا گیا ۔ اپنے چاہے کتنے ہے بڑے کیوں نہ ہوں مشکل میں وہی پناہ دیتے ہیں۔"]